خبر تحیّر

(رُباعیوں کا مجموعہ)

فرید پربتی

(رُباعیوں کا مجموعہ)

فریدؔ پربتی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

KHABR-E-TAHAYYUR

(Rubayyon Ka Majmua)

by

Fareed Parbati

Year of Ist Edition 2007

ISBN 81-8223-305-4

Price Rs.150/-

نام کتاب	خبرِ تحیّر (رُباعیوں کا مجموعہ)
مصنف	فرید پربتی
سنِ اشاعت اوّل	۲۰۰۷ء
قیمت	۱۵۰ روپے
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(India)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 091-011-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

بسم اللہ الرحمان الرحیم

....

اگر غزل و ترانہ گوئی سہل و لطیف تر گوئی و بقوافی معروف گوئی

قابوس نامہ (امیر کیکاوس) ....

سمجھو کہ لگاؤ گے فقط رٹ میری
پاؤ گے چہار سمت آہٹ میری
جب تجھ پہ کمالات کھلیں گے میرے
سجدوں سے سجادو گے چوکھٹ میری

انتساب

اھلِ وطن کے نام

مٹنا ہے عدو کے سدّ و حد کو اک دن
اِس گھات کو، دمدمہ کو، زد کو ،اک دن
گھبرا نہ مسلّط ہے جو اَشرم کی فوج
آئیں گے ابابیل مدد کو اک دن

چھٹنے کو ہے ابر کرم بسم اللہ
مٹنے کو ہے ہر کہنہ الم بسم اللہ
جذبات کی برف کو پگھلتے ہی بنی
پھر چلنے لگا میرا قلم بسم اللہ

پیدا ہے یہاں سبھی نہاں میں ہی ہوں
کس سے کہوں بے نام ونشاں میں ہی ہوں
مدت سے جو جلتی ہے نہ بجھتی ہے فریدؔ
اُس آتشِ ہستی کا دھواں میں ہی ہوں

موجود میں خود کو نہیں ڈھلنے دوں گا
سایوں کو میں سورج نہ نگلنے دوں گا
ہوں گردشِ ایّام کہ لمحہ کوئی
اب آگے کسی کو نہ نکلنے دوں گا

پا کر میں یہاں کھوتا ہوں اکثر کیا کیا
خود کو میں دکھاتا ہوں مکرّر کیا کیا
پانے کا تجھے شغل ، تجسّس اپنا
پانی میں بہا دیتا ہوں دن بھر کیا کیا

ہوں بود کہ نابود نہیں جانتا میں
کس آگ کا ہوں دود نہیں جانتا میں
جاں دے دی دیئے قلب و جگر بھی تجھکو
نقصان ہے یا سود نہیں جانتا میں

انگیز ہوئی میری طبیعت پوری
اب ہوگئی چکّی کی مشقّت پوری
سکھلا کے ہنر آگ وہ پینے کا مجھے
کر دی ہے مری بڑی ضرورت پوری

آئے گا فلک پر وہ ستارا واپس
یہ چیز ہے کیا آئے گا سارا واپس
افسوس اس اک بات کا ہے دنیا میں
آنا نہ مجھی کو ہے دوبارا واپس

ہر ایک عمل ردّ عمل رکھتا ہے
ہر اچھا بُرا اپنا بدل رکھتا ہے
بیٹھا ہوں اُسی پیڑ کے سائے کے تلے
جو پھول نہ پتّہ نہ ہی پھل رکھتا ہے

لـــــــہ اک انعام مجھے دیدینا
آرام سا آرام مجھے دیدینا
ہنگامہ طرب کا کہ غمِ مہجوری
خالی ہوں کوئی کام مجھے دیدینا

کٹتا ہی نہیں شام و سحر سے اپنے
ہٹتا ہی نہیں ہوں ابھی در سے اپنے
جنّت سے نکالے گئے آدمؑ کی طرح
مجھکو بھی نکالا گیا گھر سے اپنے

سن! تہہ کی میں بات بتاتا بھی نہیں
پانی سے لگی آگ بجھاتا بھی نہیں
بے صوت وصدا ٹوٹتے جاتے ہیں خواب
اور میں ہوں ذرا شور مچاتا بھی نہیں

چھوڑے ہوئے ہیں کارِ فغاں کون کہ میں!
ہے گاہ چنیں گاہ چناں کون کہ میں!
پکڑا ہے فقط صبر کا دامن کس نے
رکھتا ہے یہاں بند زباں کون کہ میں

نے وہم یقیں کا مجھے رکھّا ہوتا
نے آں کا نہ ایں کا مجھے رکھّا ہوتا
آڑے آئی تری محبّت ورنہ
جگ نے نہ کہیں کا مجھے رکھّا ہوتا

آ کر میں یہاں ہوا زیاں سنج بہت
ہوتا میں قریں اُسکے یہ تھا گنج بہت
ہوتا نہ اگر میں نہیں ہوتے غم بھی
دیتا ہے یہ ہونا ہی مجھے رنج بہت

ہر موڑ پہ حاصل ہوئیں ماتیں اکثر
دیکھی ہیں فقط اپنوں کی گھاتیں اکثر
گہہ سردیٔ احباب گہے گرمیٔ غیر
کرتا ہوں یہی خود سے میں باتیں اکثر

ہر وقت صراحی یہ بھری رہتی ہے
شبنم سے ہر اک شاخ ہری رہتی ہے
کر لوں میں ستاروں کی تمنّا کیونکر
سورج پہ نظر میری دھری رہتی ہے

دامن کو میں اشکوں سے بھگو دیتا ہوں
آہوں کی نئی فصل بھی بو دیتا ہوں
وہ ریت کے گھر بنا کے خوش ہو جاتا
آتے ہیں وہ دن یاد تو رو دیتا ہوں

مندر کی کنشت کی کہ ہو گھر کی آگ
خوراک ہی ہوتی ہے سمندر کی آگ
میں برف کے ماحول میں رہتا ہوں مگر
کم پڑتی نہیں ہے مرے اندر کی آگ

گاؤں کی ہے اور نہ ہے شہری ہَوا
آوارہ ہے من موجی ہے یہ لہری ہَوا
رُک جا کہ شجر میرے گریں گے سارے
مت کہہ کہ سنے گی نہیں کچھ بہری ہَوا

اندختہ خوابوں کا یہاں جلتا ہے
اندر مرے ایک وہم سا پلتا ہے
تنہائی کی منزل ہے، عجب منزل ہے
سایہ بھی مرے ساتھ نہیں چلتا ہے

حالات بدلنے کا ہے کم کم امکاں
بے حوصلہ طے ہوگا نہیں کچھ بھی یہاں
ہوں سہل پسند اُٹھے گا کیونکر صاحب
یہ بار گراں بارِ گراں بارِ گراں

وہ سیم بدن، مہر جبیں دیکھا ہے
میں نے اُسے بے وہم و یقیں دیکھا ہے
جلوؤں کی وہ یورش کہ الٰہی توبہ
دیکھا بھی اُسے اور نہیں دیکھا ہے

پاؤں پاؤں یہاں پہ چلتا ہوں کبھی
میں طور طریقہ بھی بدلتا ہوں کبھی
رہتا ہوں کھڑا چٹان بن کر اکثر
اور شمع کی صورت میں پگھلتا ہوں کبھی

کافی ہی کیا غور نہ دیکھا میں نے
تجھ سا تو بہر طور نہ دیکھا میں نے
صورت میں سیرت میں ادا میں چھب میں
اس شہر میں اک اور نہ دیکھا میں نے

تھا چاند بھی اور اُسکا ہالہ یہی کل
ہر بات پہ تھا میرا حوالہ یہی کل
یہ آج مخالف جو بنا پھرتا ہے
دیتا تھا مرے ہات پیالہ یہی کل

کھو کر مجھے تسکین کہاں ہوتا ہے
سب داؤ پہ موجود یہاں ہوتا ہے
اس درجہ زیاں کا میں عادی ہوں فریدؔ
مجھکو نہیں احساسِ زیاں ہوتا ہے

آسودہ کروں دل کا تقاضہ کب تک
آنکھوں میں رکھوں عیشِ گذشتہ کب تک
سورج کو نگلنے لگے سائے دیکھو
ہوتا ہے یہاں پر یہ تماشہ کب تک

اخلاص سے ہر قرض چکا دیتا ہوں
آپ اپنے کو راہوں میں بچھا دیتا ہوں
آتا ہے اگر کوئی خوشی سے مرے پاس
پلکوں پہ اُسے اپنی بٹھا دیتا ہوں

ہر گام یہ سیدھا مرا چلنا دیکھا
اُٹھتا نہ دھواں، آگ میں جلتا دیکھا
وہ سیدھ کا بندہ ہے سمجھتا مجھکو
اُس نے نہ کبھی میرا بدلنا دیکھا

میں اُس سے سبک بار ہوں راحت وہ ہے
ہے مال وہ مفلس کا بغایت وہ ہے
جس جذبہ کو رکھا ہے بچا کر میں نے
معلوم نہیں کس کی امانت وہ ہے

اک رمز عجب راغب و مرغوب مجھے
کوئی نہیں کر پائے گا مغلوب مجھے
سانپوں سے بچاتا ہوا بچوں کو پرند
سکھلا کے گیا زیست کا اسلوب مجھے

عجلت میں بسائی گئی اک دنیا ہوں
سرسبز زمیں، گاہ گہے صحرا ہوں
اس درجہ سکڑتا ہے کبھی میرا وجود
سوئی کے ناکے سے گزر سکتا ہوں

ہر راہ کو پُر خار بنانے والا
آسان کو دشوار بنانے والا
خود اِسکو اُٹھاتا ہے گراتا خود ہے
یہ بیچ کی دیوار بنانے والا

تاروں سے بھرا ہوا تھا اُس رات فلک
بے کل کیئے دیتی تھی جذبوں کی لچک
تو بھول چکا موسمِ خوش کن لیکن
اُس آگ سے اُٹھے گا دھواں دیر تلک

مہمل تھا سخن سخن حسابوں والا
تھا موسمِ خوش کن وہ گلابوں والا
کر یاد میں پڑھتا تھا فقط چہرہ تیرا
اور بھولا تھا ہر درس کتابوں والا

جذبات نے رُخ پھیر لیا ہے اکثر
مجھ سے مجھے تا دیر لیا ہے اکثر
صندل تو نہیں ہوں میں مگر جانے کیوں
سانپوں نے مجھے گھیر لیا ہے اکثر

ہر پھول اک تلوار ہے میں نے دیکھا
ہر چپ میں اک اظہار ہے میں نے دیکھا
اجمال میں تفصیل ہے جانچا میں نے
انکار میں اقرار ہے میں نے دیکھا

عاشق ہوں نہ محبوب ہوں آخر یہ کیا!
راغب ہوں نہ مرغوب ہوں آخر یہ کیا!
طاری ہے عجب طرح کا اک مجھ پہ جمود
طالب ہوں نہ مطلوب ہوں آخر یہ کیا!

ہے مجھکو عیاں اور نہاں پر قابو
مشاق ہوں ہے تیروکماں پر قابو
جب سے یہ کھلا عیبوں کا پردہ ہے سکوت
رکھتا ہوں میں تب سے زباں پر قابو

پاؤں میں پڑی ہے جو وہ زنجیر نہ کھینچ
سر پر جو لٹکتی ہے وہ شمشیر نہ کھینچ
جذبات کے دھارے پہ رواں ہوں اس وقت
اس حال میں اب تو مری تصویر نہ کھینچ

نیندوں میں جو شخص چلا ہو اکثر
برفیلی ہواؤں سے جلا ہو اکثر
غیروں پہ بھروسہ وہ کرے گا کیونکر
اپنوں نے جسے لوٹ لیا ہو اکثر

میں عکس کہ آئینۂ حیرانی ہوں
من جملۂ اسبابِ پریشانی ہوں
اب تک میں یہی طے نہیں کر پایا فریدؔ
صحرا ہوں پیاسا ہوں کہ میں پانی ہوں

خود پر یہی فرمان میں جاری کر لوں
اک جذبۂ بے ساختہ طاری کرلوں
نظریں تری مجھ پر ہی جمی رہتی ہیں
میں کس لئے اب تجھ سے نہ یاری کرلوں

تلخابۂ حالات چکھانے والے
بے انت سمندر میں بہانے والے
یکسانیِ حالات سہوں میں کب تک
خوشیوں کو مری چھین کے جانے والے

ہر رُت کو نئی فصل نہیں کہہ سکتا
آنے کو ترے، وصل نہیں کہہ سکتا
واقف ہوں چمکتا نہیں سونا ہی فقط
ہر اصل کو میں اصل نہیں کہہ سکتا

بے وجہ کسی کا میں یہاں بن نہ سکا
گہہ نفع گہے کارِ زیاں بن نہ سکا
سلگایا جسے غیر کے ہاتھوں نے فریدؔ
اُس آگ کا میں گاڑا دھواں بن نہ سکا

آئینۂ اظہار میں حیرت ہے جواں
اور خواہشِ بھرپور بغاوت ہے جواں
کتنے ہی کھلونے توڑ کے دیکھے پھر بھی
تخریب کا اک جذبہ بغایت ہے جواں

جینے کے لئے تازہ ہوا چاہتا ہوں
ماحول نیا نئی فضا چاہتا ہوں
آسیب زدہ سایوں سے بچنے کے لئے
ہر حال میں اب ماں کی دعا چاہتا ہوں

خوشبو بنے کب رنگ بتائے شاید
اور موم بنے سنگ بتائے شاید
یہ تنگئ حالات دکھانے والا
مرنے کا حسیں ڈھنگ بتائے شاید

حیرت سے گراں بار رمق لے آئی
یا زیست کا موضوعِ اَدق لے آئی
تاویل نہ کر سکا ابھی تک کہ ہوا
کیوں دوش پہ اک سادہ ورق لے آئی

اس بات کو اب مان لیا ہے میں نے
خود کو نہیں پہچان لیا ہے میں نے
چالیس برس بعد بھی اب تک نہ فریدؔ
جینے کا ہنر جان لیا ہے میں نے

خود سے میں ملوں ہے یہی چاہت مجھکو
خواہش ہے مگر یہی بغایت مجھکو
ہیں پاؤں مرے زخمی تعجّب مت کر
ہے نیند میں چلنے کی عادت مجھکو

مانگا جو اُسے نہیں دیا ٹھیک کیا
ہونٹوں کو زبردستی سیا ٹھیک کیا
دکھلا کے تنگ ظرفی حالات فریدؔ
بے خوف مجھے اُس نے کیا ٹھیک کیا

اک بار اُسے آزما کے دیکھا ہوتا
پنہاں سے نیا وجود پیدا ہوتا
ہے سہل حصول موت میں واقف ہوں مگر
جینا اگر آتا کیا ہی اچھا ہوتا

نیت اُسکی لگی مجھے ٹھیک بہت
روشن ہوا امکاں جو تھا تاریک بہت
کانٹوں سے بھرا رستہ اُسی نے سونپا
ہو سکتا ہے یہی ہو نزدیک بہت

بہہ سکتا ہوں غرض و غایت کے بغیر
رہ سکتا ہوں خوش حاصلِ لذّت کے بغیر
میں سنگ صفت مانوں نہ رنگوں کا وجود
جی سکتا ہوں تری عنایت کے بغیر

کیسے یہ سمجھتے ہو کہ پورا ہوں میں
شیشے کی طرح چورا چورا ہوں میں
ہر زاویئے سے آدھا نظر آؤں گا
واللہ ترے بغیر ادھورا ہوں میں

حالات کا آئینہ دکھا کر مجھکو
سب وہم ہے. اتنا ہی بتا کر مجھکو
پلکوں کے سبھی خواب کیئے چکنا چور
تعبیر کے افسوں سے ڈرا کر مجھکو

سر چڑھنے لگی تازہ بلا اب جاں ناں
خوش فہم نہ ہیں مجھ سے یہاں سب جاں ناں
گر گر کے سنبھلنے سے غلط فہمی ہوئی
جینے کے آئے ہیں مجھے ڈھب جاں ناں

سانچے میں ابھی تک نہ ڈھلی ہے دنیا
دھارے پہ ہمیشہ ہی بہی ہے دنیا
لایعنی جھمیلوں میں اُلجھا کے فریدؔ
حصّوں میں مجھے بانٹ رہی ہے دنیا

رُکتی ہی نہیں راہ بدلتی ہے پھر
ہم راہ کسی وقت نہ چلتی ہے پھر
ہنگامہ کوئی روح میں جب ہو پیدا
یکسانی شب و روز کی کھلتی ہے پھر

روشن یونہی قندیل ہوئی ہے میری
ناسفتگی تحلیل ہوئی ہے میری
رکھتا ہوں اِسی لئے میں ماٹی سے اُنس
اس سے ہی تشکیل ہوئی ہے میری

کھینچے گا مرے جسم سے ہر تیر وہی
پتھر سے نکالے گا تصویر وہی
پابستگی پر میری جو ہوتا ہے خوش آج
پاؤں سے کل کھولے گا زنجیر وہی

ہو حق میں گرفتار ہے تسلیم زدہ
جذبات سے عاری ہے تعلیم زدہ
شرمندۂ تعبیر ہوں کیونکر کوئی خواب
جب زیستؔ کا ہنگامہ ہے تعمیم زدہ

ہر سانس ہے مائل بہ طہارت تب سے
کچھ بھی نہیں ہے وجہ شکایت تب سے
قربت تری جب سے ہے میسر آئی
لگنے لگی ہے زیست عبادت تب سے

اک چہرہ نیا روز دکھاتا ہے کوئی
کچھ میرا نہیں یہی بتاتا ہے کوئی
لے جائے گا سر کاٹ کے گر کچھ نہ ملا
پھر فصل مری کاٹنے آتا ہے کوئی

دکھلایا تھا جو پھر سے دکھاتا ہے وہ
بے بس ہوں یہ احساس دلاتا ہے وہ
اس پر بھی ہے تاکید کہ میں اُف نہ کروں
میں شمعیں جلاتا ہوں بجھاتا ہے وہ

یہ سوچ کے ہوتا ہوں اکثر میں حزیں
دراصل اس اک بات پہ ہے پختہ یقیں
ہم ہونگے یہاں پر نہیں لیکن پھر بھی
ہوگا یہ جہاں اور حسیں اور حسیں

ہر زہر کو ہنس ہنس کے پینا ہوگا
اک زخمِ جگر کو بھی نہ سینا ہوگا
جب سے یہ کہا مرتا ہوں فرقت میں تری
تب سے یہی تاکید ہے جینا ہوگا

جو کچھ ہے نہاں سب پہ عیاں رہتا ہے
پوشیدہ نہیں کچھ بھی یہاں رہتا ہے
خوابوں کی تجسیم کروں میں کیونکر
ہر لمحہ مراوقفِ زیاں رہتا ہے

کل تک تھا وہ ہمراز بتاؤں کس کو
اور تھا مرا دم ساز بتاؤں کس کو
حد درجہ روابط تھے ہم دونوں میں
انجام کا آغاز بناؤں کس کو

تھی اُسکو شدید پیاس اُسے کیا دیتا
تھا مجھکو بھی احساس اُسے کیا دیتا
پھل پھول تو ہیں بعد کی باتیں صاحب
سایہ بھی نہ تھا پاس اُسے کیا دیتا

رقصندہ میں ہوتا ہوں بسمل ہوکر
جذبوں میں گرا رہتا ہوں دل ہو کر
کیسا یہ فریدرن پڑا ہے مجھ میں
کٹتا ہوں مگر خود سے مقابل ہو کر

پھر یاد دلاتا ہوں وہ منظر خود کو
پاتا ہوں ذرا بھر میں شناور خود کو
دیکھے ہیں وہ سخت مراحل میں نے
جب دینا پڑا حوصلہ اکثر خود کو

کافور غم و رنج و الم ہونے تک
کیسے میں جیا دوریاں کم ہونے تک
موقع بھی میسر ہو بتا سکتا نہیں
کیا گزری دل و جاں پہ بہم ہونے تک

بے رنگ ہے رنگوں کی کماں میرے لئے
پیدا بھی یہاں پر ہے نہاں میرے لئے
وہ پھول ہوں جسکا نہیں کوئی موسم
یکساں ہے بہار اور خزاں میرے لئے

انداز سکھاتا ہوں بھلا سا خود کو
صحرا میں بھی رکھتا نہیں پیاسا خود کو
ہر جیت میں مضمر ہے یہ اک راز فریدؔ
ہر ہار پہ دیتا ہوں دلاسا خود کو

ہر زخمِ کہن کو نہ ہے سینا مجھکو
خشکی میں ڈبونا ہے سفینہ مجھکو
دنیا سے قدم قدم پہ سمجھوتہ کروں
اس طور سے آئے گا نہ جینا مجھکو

کب آگ کے دریا میں اُترنا آیا
حد سے نہ کبھی آگے گزرنا آیا
اک اَندھی ہوا چلتی رہی دیر تلک
شاید کہ مجھی کو نہ بکھرنا آیا

ہے کیف سے بھر پور تمہاری آنکھیں
حد درجہ ہیں معمور تمہاری آنکھیں
پی پی کے اُسے عمر گزاروں میں بھی
جس مے سے ہیں مخمور تمہاری آنکھیں

تکتا ہوں ہر اک چیز کو ہٹ کر، تب سے
آپ اپنے سے رہتا ہوں کٹ کر، تب سے
اندازہ ہوا جب سے کہ دنیا ہے وسیع
بیٹھا ہوں پروں کو میں سمٹ کر، تب سے

وقفوں میں نہیں یہاں وہ اکثر آیا
گر صبح گیا شام پلٹ کر آیا
کم کرنے مرے گھر کے سونے پن کو
چھت پر نہ ابھی تک وہ کبوتر آیا

ہر سانس ہے تلوار کہاں جاؤ گے
ہر راہ ہے دشوار کہاں جاؤ گے
ہو جائیں گے پاؤں تمہارے زخمی
ہر گام ہے پر خار کہاں جاؤ گے

ہر حال میں پیچھے ہی رہے جاتے ہیں
جذبات میں لیکن نہ بہے جاتے ہیں
اک وہ کہ نہیں پھول گوارا اُنکو
اک ہم ہیں کہ خنجر بھی سہے جاتے ہیں

آنکھوں سے کبھی ہم نے سنوارے ہی نہ تھے
اور نقش کبھی اُنکے اُبھارے ہی نہ تھے
شرمندۂ تعبیر وہ ہوتے کیونکر
جو خواب حقیقت میں ہمارے ہی نہ تھے

سایا کبھی دامن کو بچا دیتا ہے
ہوں جسم سے بالا یہ بتا دیتا ہے
خنکی نہیں ہوتی ہے سدا یادوں میں
پنکھا بھی کبھی گرم ہوا دیتا ہے

خود کو میں رکھوں اوروں کے بس میں کب تک
غیروں کو بناؤ ہم نفس میں کب تک
جس میں کوئی کھڑکی ہے نہ دروازہ کوئی
میں قید رہوں اُس اک قفس میں کب تک

ہے ذات مری مثل گلستاں ہمہ رنگ
ہے رات مری مثل شبستاں ہمہ رنگ
گر چھوڑ بھی دیتا ہوں کبھی منزل کو
پاتا ہوں بخود وادیٔ امکاں ہمہ رنگ

میں تیرے سوالوں کا دوں کیسے جواب
میں غم سے گراں بار ہوں بے حد و حساب
وہ باب مری عمرِ گذشتہ کا ہے
جسکو تو سمجھتا ہے نئی تازہ کتاب

بے سمت قدم کو نہ ٹھہر جانے دے
اس کام میں اب حد سے گزر جانے دے
جینے ہی نہیں دیتا ستم جسکا فریدؔ
اُس ایک ستم گر پہ مجھے مرنے دے

ہاتھوں میں لئے نکلا ہوں میں ایک چراغ
شاید یونہی مل جائے کہیں اپنا سراغ
مدّت ہوئی اک راہ میں خود کو کیا گم
نے خواب نہ آرام نہ ہے مجھکو فراغ

ہوں پیاس کہ ظلمات یہ اب تک نہ کھلا
کیسا ہے طلسمات یہ اب تک نہ کھلا
جلتا ہوں نہ بجھتا ہوں کئی دن سے فریدؔ
کیسی ہے کرامات یہ اب تک نہ کھلا

موہوم ہے خوابوں کی فضا جیتے ہیں
اور کرتے ہیں جینے کی دعا جیتے ہیں
وہ سرو ہے آزاد اُسے کیا معلوم
کس طور سے اربابِ وفا جیتے ہیں

بے وجہ کبھی پاس نہ آتے ہیں خواب
کیا ہم پہ گزرنا ہے بتاتے ہیں خواب
ڈستے ہیں بہت جاگ کے منظر مجھکو
جو آنکھ کروں بند ستاتے ہیں خواب

کس لمحۂ موہوم کا دم ساز ہوں میں
کوئی نہ اُٹھائے جسے وہ ناز ہوں میں
جس پر نہ توجہ دی کسی نے اب تک
صحرا میں وہ بکھری ہوئی آواز ہوں میں

اک سائیگی حائل ہے بہت مشکل ہے

قابو میں نہ اب دل ہے بہت مشکل ہے

اغماض نہ اسطرح برت خود سے فریدؔ

جینا بڑا مشکل ہے بہت مشکل ہے

روزانہ نیا قصّہ سنا لیتا ہوں

ہر دن میں جنم ایک نیا لیتا ہوں

جو کل تھا وہی پھر نہ نظر آجاؤں

ہر صبح نیا خود کو بنا لیتا ہوں

نے مہر سے خوش نہ کج ادائی سے خوش
واللہ ہوں میں تیری خدائی سے خوش
پائی ہے عجیب ایک طبیعت میں نے
نے وصل سے ہوں اور نہ جدائی سے خوش

مہمل سے جوابوں کی طرح یاد نہ آ
بھولے ہوئے خوابوں کی طرح یاد نہ آ
جن میں نہ ہی خوشبو ہے نہ ہی کوئی رنگ
اُن سوکھے گلابوں کی طرح یاد نہ آ

جذبات کا آہنگ ہے کم کم مجھ میں
جو دھن بھی ہے باقی وہ ہے مدھم مجھ میں
وہ جب سے گیا ہوگیا ہوں بے چہرہ
بے رنگ ہے بے کیف ہے موسم مجھ میں

جاگیر رہی دل میں گھٹن دیر تلک
سایوں نے بھی پھیلا دیا پھن دیر تلک
وہ تو تھا کہ وہ بھولتا سناٹا تھا
شب کوئی رہا محوِ سخن دیر تلک

امکاں نہیں اب روپ بدل جانے کا
پانی [illegible] ہوا میں نہیں ڈھل جانے کا
ہوا [illegible]ف کہن سال نہ ہے خوف کوئی
سورج کی تمازت سے پگھل جانے کا

رکھتا نہیں اب آہ و زاری سے کام
شوریدہ سری نہ بے قراری سے کام
اس طرز سے زندگی گزرتی ہے فریدؔ
ہر آن ہے اب وقت شماری سے کام

مٹی کی تلاش ہو وہ سونا دے گا
جیسے کی طلب ہو وہ نہ ویسا دے گا
بہتر ہے یہی اُسے نہ کچھ بھی مانگوں
مانگوں میں اگر زشت وہ زیبا دے گا

ہے موردِ اکرام نظر میرے سوا
راضی ہے بہ انداز دگر میرے سوا
رونا ہے اُس اک بات کا رونا ہے فریدؔ
وہ سب کا یہاں پر ہے مگر میرے سوا

پہروں خود سے رہتا ہوں محو کلام
ہے ذکرِ سحر اور نہ ہے فکرِ شام
وہ دن گئے رکھتا تھا ہر اک کی خبر
اب کام سے اپنے میں رکھتا ہوں کام

وہ کر گیا مہمل سے جوابوں میں گم
حاصل ہے یہی ہوں میں عذابوں میں گم
اک وہ کہ میسر اُنہیں دریا دریا
کہ میں کہ ابھی تک ہوں سرابوں میں گم

ہے سہل نہ یہ اِسکا یقیں کر سکتا
اب تک نہ کیا مہر جبیں کر سکتا
وابستہ ہوں دنیا سے یہ مانا لیکن
میں تجھ سے الگ خود کو نہیں کر سکتا

جو نقش اُبھارا وہ خیالی نکلا
اک لحظہ طلب کا نہ مثالی نکلا
تو آیا نہ ہی خود سے ملاقات ہوئی
لو آج کا دن بھی یونہی خالی نکلا

ہر لمحہ تعلق سے سجایا سچ مچ
ہر قول و قسم دل سے نبھایا سچ مچ
تو نے بھی نکالی ہے کدورت دل سے
میں نے بھی تجھے دوست بنایا سچ مچ

کہتا نہیں کچھ دہر کی کلفت کے خلاف
پیتا ہوں ہر ایک زہر عادت کے خلاف
وہ گھر سے نکلنا ہو کہ واپس آنا
کرتا ہوں ہر اک کام طبیعت کے خلاف

ساقی نے کہا ہر اک سبو تیرا ہے
یہ ابر، ہوا، روئے نکو تیرا ہے
پہلے ہے یہی شرط کہ اپنا ہو جا
پھر اِسکے بعد چارسو تیرا ہے

پانی پہ ہوں اک منظرِ لرزاں کی طرح
بردوش ہوا ورقِ پریشاں کی طرح
پھرتا ہوں تری طلب میں کوچہ کوچہ
آجا گتا ہوں شمع فروزاں کی طرح

لطف و کرمِ یار میں بیٹھا ہوں ابھی
اک نشۂ پندار میں بیٹھا ہوں ابھی
مت چھیڑ ابھی جہد و عمل کے قصّے
میں سایۂ دیوار میں بیٹھا ہوں ابھی

میں بھی ہوں کم کوش غلط صاف غلط
ہوں حال میں مدہوش غلط صاف غلط
وہ لمحۂ خوش کن جو تیرے ساتھ کٹا
کر لوں میں فراموش غلط صاف غلط

ساقی نے کہا ہر اک سبو تیرا ہے
یہ ابر، ہوا، روئے نکو تیرا ہے
پہلے ہے یہی شرط کہ اپنا ہو جا
پھر اِسکے بعد چار سو تیرا ہے

پانی پہ ہوں اک منظرِ لرزاں کی طرح
بردوش ہوا ورقِ پریشاں کی طرح
پھرتا ہوں تری طلب میں کوچہ کوچہ
آجاگتا ہوں شمع فروزاں کی طرح

لطف و کرمِ یار میں بیٹھا ہوں ابھی
اک نشۂ پندار میں بیٹھا ہوں ابھی
مت چھیڑ ابھی جہد و عمل کے قصے
میں سایۂ دیوار میں بیٹھا ہوں ابھی

میں بھی ہوں کم کوش غلط صاف غلط
ہوں حال میں مدہوش غلط صاف غلط
[illegible]

ساقی نے کہا ہر اک سبو تیرا ہے
یہ ابر، ہوا، روئے نکو تیرا ہے
پہلے ہے یہی شرط کہ اپنا ہو جا
پھر اِسکے بعد چار سو تیرا ہے

پانی پہ ہوں اک منظرِ لرزاں کی طرح
بردوش ہوا ورقِ پریشاں کی طرح
پھرتا ہوں تری طلب میں کوچہ کوچہ
آجا گتا ہوں شمع فروزاں کی طرح

لطف و کرمِ یار میں بیٹھا ہوں ابھی
اک نشۂ پندار میں بیٹھا ہوں ابھی
مت چھیڑ ابھی جہد و عمل کے قصّے
میں سایۂ دیوار میں بیٹھا ہوں ابھی

میں بھی ہوں کم کوش غلط صاف غلط
ہوں حال میں مدہوش غلط صاف غلط
وہ لمحۂ خوش کن جو تیرے ساتھ کٹا
کر لوں میں فراموش غلط صاف غلط

ساقی نے کہا ہر اک سبو تیرا ہے
یہ ابر، ہوا، روئے نکو تیرا ہے
پہلے ہے یہی شرط کہ اپنا ہو جا
پھر اِسکے بعد چار سو تیرا ہے

پانی پہ ہوں اک منظرِ لرزاں کی طرح
بردوش ہوا ورقِ پریشاں کی طرح
پھرتا ہوں تری طلب میں کوچہ کوچہ
آجاگتا ہوں شمع فروزاں کی طرح

لطف و کرمِ یار میں بیٹھا ہوں ابھی
اک نشۂ پندار میں بیٹھا ہوں ابھی
مت چھیڑ ابھی جہد و عمل کے قصّے
میں سایۂ دیوار میں بیٹھا ہوں ابھی

میں بھی ہوں کم کوش غلط صاف غلط
ہوں حال میں مدہوش غلط صاف غلط
وہ لمحۂ خوش کن جو تیرے ساتھ کٹا
کر لوں میں فراموش غلط صاف غلط

لکھتا ہوں غم و رنج کی تختی اے دل
حاصل ہے فقط تیری دولختی اے دل
دنیا کی طلب میں کبھی عقبیٰ کے لئے
تا عمر اُٹھائی میں نے سختی اے دل

تنہائی ہے میں ہوں اور شام ہے اب
تھوڑا سا عنایت سے آرام ہے اب
دنیا کا سر اک کام نبیڑا میں نے
بس خود کو کروں یاد یہی کام ہے اب

نادیدہ مقامات دکھا تا ہے کوئی
ہوں اصل میں ہی یہی بتاتا ہے کوئی
تُو تُو کا پڑھا میں نے وظیفہ اک عمر
میں میں کا سبق مجھے پڑھاتا ہے کوئی

حد درجہ ہوں بے قرار! میں تیرا ہوا
پیہم ہے انتظار !میں تیرا ہوا
اک لحظہ نہ جی سکتا ہوں میں تیرے بغیر
جادور نہ میرے یار ! میں تیرا ہوا

لمحاتِ گریز پا کا سرمایا ہوں
معنٰی کی قسم اصل میں اک کایا ہوں
آوٴں گا نہیں ہاتھ یہ کوشش مت کر
سایا ہوں سایا ہوں میں سایا ہوں

امکاں سے پرے وہم و گماں سے آیا
یا صبح ازل نفع و زیاں سے آیا
جانا ہے کدھر یہ بھی نہیں ہے معلوم
باور نہیں یہ بھی کہ کہاں سے آیا

زندہ ہوں ابھی ذوقِ نظارا لے کر
جیتا ہوں میں یادوں کا سہارا لے کر
دنیا پہ رکھا زخموں کا اپنے الزام
شکوہ نہ کیا نام تمہارا لے کر

آنکھوں میں عجب خوابوں کو پالا میں نے
طرزوں سے نئی روز سوالا میں نے
ڈھالا نہ ابھی خود کو کسی سانچے میں
دنیا کو نہیں دل سے نکالا میں نے

خنجر سے نہ ہی تیغ نہ تلوار سے ڈر
منبر سے نہ ہی جبہ و دستار سے ڈر
دھندلاتا ہے یک لخت یہ ہر نقش و نگار
اس تیز قدم وقت کی رفتار سے ڈر

الست کا ہر ردِّ عمل میں نے لیا
اس پیڑ سے پھول اور پھل میں نے لیا
مصروف رکھوں خود کو عجب دھندوں میں
یہ بارِ گراں صبح ازل میں نے لیا

طوفانِ حوادث سے اُبھرتا ہوں کبھی
دم ہونے کا اپنے آپ بھرتا ہوں کبھی
رکھتا ہوں گرو خود کو کبھی مثلِ ظفؔر
باؔبر کی طرح عیش بھی کرتا ہوں کبھی

آنکھوں میں رہے ذوق تماشہ کب تک
سوتا رہے یہ میرا نصیبہ کب تک
تا صبح رہو ساتھ اکیلا ہوں بہت
کرلوں میں ستاروں سے تقاضہ کب تک

آپاس نہ کر صرف نظارا ہر شب
اے چاند ہے تیرا ہی سہارا ہر شب
ٹوٹی ہوئی سانسوں سے دھڑکتے دل سے
تا صبح تجھے میں نے پکارا ہر شب

با ہوش تھا لیکن میں بے ہوش رہا
زندہ تھا مگر موت سے ہم آغوش رہا
ایسے بھی مقاموں سے میں گزرا ہوں فریدؔ
وہ کہتا رہا اور میں خاموش رہا

ہر خواب مرا پھر سے جواں ہو جائے
طے مرحلۂ سود و زیاں ہوجائے
کر مجھکو عنایت وہ بھرپور فضا
صدیوں کی تھکن دور جہاں ہو جائے

ہوں اب میں کسی کا نہیں ہونے والا
اب جاگ گیا کل تھا سونے والا
وہ دیر و حرم سے ہے الگ بالکل الگ
جس راہ میں ہوں خود کو میں کھونے والا

بے کل ہوں بے حساب چارہ کر چارہ
پیہم ہے اضطراب چارہ کر چارہ
آتا ہے جو بھی پاس چلا جاتا ہے
پانی ہوں نہ ہوں سراب چارہ کر چارہ

میں نے جو کہا مجھکو رکھا سب سے الگ
شکوہ یہ کیا کیوں نہ کہا سب سے الگ
میں نے جو کہا اچھی نہیں ہے تفریق
اس بات پہ ہی مجھکو کیا سب سے الگ

ہوں وصل گزیدہ نہ ہے واصل کوئی
یاں اپنے سوا نہ ہے مقابل کوئی
جز تیرے کسی کو میں بتا بھی نہ سکوں
طوفان میں ہوں اور نہ ہے ساحل کوئی

جن سے نہ تعلق ہو وہاں سے آئے
بے نام اک آسودہ مکاں سے آئے
اپنوں کی ہو یا غیر کی بھیجی ہوئی آگ
مقصود بجھا تا ہے جہا ں سے آئے

ہوں برف کہن سال میں پانی ہو جاؤں
اے صورتِ امروز معانی ہو جاؤں
اُس لمحے کا انتظار کرتے ہی بنی
جس میں کہ حقیقت سے کہانی ہو جاؤں

پر لطف ہوا کیف بہاری لے کر
وہ چیز جو خواہش تھی ہماری لے کر
جس نے کہ فریدؔ آنکھیں بجھائی سب کی
اب آتا ہے رنگوں کی سواری لے کر

فرید پربتی کی رباعیاں............ایک جائزہ

محمد ارشد

اُردو ادب کے شعری منظرنامے کا جائزہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ جس طرح دیگر اصناف مثلاً غزل، نظم، مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ کا وقتاً فوقتاً انتخاب عمل میں لایا گیا۔اس طرح کا سلوک رباعی کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا، حالانکہ رباعی کے آثار ہمارے ادب میں ابتداء ہی سے پائے جاتے ہیں اور اس کا وافر سرمایہ بھی موجود ہے۔اس صورتِ حال کے پیچھے جو اسباب کارفرما رہے ہوں۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔البتہ ایک دو باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔امجدؔ حیدر آبادی اور رواںؔ ایسے شاعر ہیں جو صرف اپنی رباعیوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ جوشؔ، فراقؔ اور یگانہ نے بھی کثرت سے رباعیوں کہی ہیں۔جدید شعراء نے بھی رباعی کی طرف تھوڑی بہت توجہ کی ہیں ان میں مظفر حنفی، کمارؔ پاشی، شمس الرحمان فاروقی اور مخمور سعیدی وغیرہ کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔دوسرے یہ کہ ہر دور میں غزل کا جادو اس طرح سر چڑھ کر بول رہا ہے کہ باقی اصناف پر پسماندگی کی گرد چڑھ گئی۔

''رباعی'' فنی اعتبار سے ایک مشکل صنف سخن ہے۔یہ صنف ہماری شعری روایت کے اس حصے سے وابستہ ہے جس میں اساتذہ سے کسبِ فیض کے ساتھ ذاتی مشق اور ریاضت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ایک مقررہ بحر و وزن کی قید میں رہ کر اور وحدتِ فکر اور تسلسل بیان کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو

بروئے کارلانا یقیناً ایک مشکل امر ہے۔اختصار کے ساتھ جامعیت کی جو صفت پائی جاتی ہے، شاعر سے بڑی توجہ اور بصیرت کا متقاضی ہے۔اس جادہ سخن کو وہ شخص سر کرسکتا ہے جس کو اپنی شعری روایت سے آگہی کے ساتھ زبان و بیان کے بنیادی نکات سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہو۔

آج جب کہ غزل اور نظم میں نظم معریٰ، آزاد نظم یہاں تک کہ نثری نظموں کا چلن اس قدر عام ہوگیا ہے کہ کسی شاعر کے لئے ''رباعی'' جیسی ریاض طلب صنف میں طبع آزمائی کرنا یقیناً ایک خوش آئند عمل ہے۔فریدؔ پربتی ہمارے دور کا ایک ایسا خوش اور جواں فکر شاعر ہے جس کو غزل کے علاوہ رباعی میں بھی شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے، یوں تو وہ غزل میں اپنے منفرد لہجے اور مخصوص طرزِ فکر کے ذریعہ دور سے پہچانے جاتے ہیں۔ان کی رباعیات ریاضتِ فن کا بہترین نمونہ ہیں۔ جس میں فن کے جمالیاتی انسلاکات کو برقرار رکھتے ہوئے شاعری کے سماجی شعور کو مزید توانائی عطا کرنے کی سعیٔ بلیغ کی ہے۔کرشن کمار طور نے بجا طور پر کہا ہے۔

> ''ڈاکٹر فرید پربتی کی رباعیاں ذہن کی اطرافی عبادت اور جودت سے نہ صرف معمور ہیں بلکہ ان میں خلاقی کی وہ تیزی و توانائی اور تندی بہ صراحت موجود ہے جو کسی فن پارہ کو تیز فہم اور زیرک احتیاط سے صیقل کرتی ہے''۔

فریدؔ پربتی کا تعلق وادیٔ کشمیر سے ہے۔ایک ایسے خطے سے جہاں ادب میں استاد اور شاگردی کی روایت نہیں پائی جاتی ہے۔شاعر کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اپنے تخلیقی، وجدانی اور فنی شعور پر انحصار کرنا ہے اور یہی چیزیں

اس کے لئے جادۂ سخن کی منزل میں رہبری کا کام کرتی ہیں۔ فریدؔ پربتی نے اپنی رباعیوں میں جس سادگی و پُرکاری کے ساتھ اپنے خیالات و مشاہدات کو شعری پیراہن عطا کر کے اردو شاعری میں ایک نئے آہنگ کا نقطۂ آغاز بن سکتا ہے۔ حال ہی میں ان کی رباعیوں کا مجموعہ ''فرید نامہ'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ جس کی ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ ان کی رباعیوں کے مطالعہ سے جو پہلا تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی شاعری کی عمارت ذاتی تخلیقی توانائی اور جذبۂ اظہار کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ ان کی رباعیوں کا اپنا اندازِ بیان اور حسن ہے جس میں ایک توانا فکرِ نظام نظر آتا ہے۔ اس کا منفرد رنگ و آہنگ اور لہجہ، اس کی شیرینی و نغمگی قاری پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔

اک رنگ شکستہ ہی، صانع ہوتا
ہاں جہد مسلسل میں یہ مانع ہوتا
بجھ کے رہ جاتی میری شورہ طلبی
میں موت پہ یا زیست پہ قانع ہوتا

☆☆☆

خاشاک وجود ایک بھنور میں رہتا
اے بے خبری اپنی خبر میں رہتا
سانسوں نے نہیں چھوڑی وظیفہ خوانی
مصروف میں کیا کارِ دگر میں رہتا

رباعی کے بارے میں یہ عام مفروضہ ہے کہ اسے صرف حکیمانہ مضامین کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعد کے شاعروں نے اس کلیے کو توڑنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ فریدؔ پربتی کی رباعیاں بھی متنوع اور ہمہ جہت موضوعات کی حامل ہیں۔ انہوں نے اسے کسی خاص موضوع سے مختص نہیں کیا، بلکہ اسے گونا گوں موضوعات کے لئے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے حمدیہ رباعیاں بھی کہیں ہیں صوفیانہ اور اخلاقی موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ حسن و عشق کے موضوعات کو بھی برتا ہے اس کے علاوہ ان کی رباعیوں میں عصری اور تازہ حسیت کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر انتشار پرور دور میں ادب پروان چڑھتا ہے۔ گذشتہ دو دہاہوں سے اہل کشمیر جس بے چارگی اور بے یقینی کی زندگی گذار رہے ہیں ، وہاں کے پے در پے خلفشار کے ماحول میں شعراء وادباء کے لئے قلم کے تقدس اور فکر کی حرمت کو قائم رکھنا یقیناً ایک مسئلہ رہا ہے۔ فریدؔ پربتی نے ایسے پُر آشوب دور میں بھی اپنے فکر و قلم کے تقدس کو حالات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا اور یہ انکے تخلیقی وجدان کا بھی اعجاز ہے کہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے تخلیقی شعور کو شعری جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

فریدؔ پربتی اپنے شعری طریق اور طرزِ اظہار میں منفرد ہیں۔ وہ نہ صرف شعری روایت سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ وہ ہماری کلاسیکی شاعری اور اس کی روایت سے حسب توفیق استفادہ بھی کرتے ہیں ان کے یہاں نہ تو صرف روایت پرستی ہے اور نہ ہی روایت سے کلی انحراف پایا جاتا ہے۔ شعری روایات کے شعور نے انکے شعری ادراکات کو زیادہ نکھارنے اور سنوارنے میں اہم فریضہ انجام

دیا ہے۔ جمالیاتی شعری روایات سے آگہی کے ساتھ انہوں نے ملک کی عام تہذیبی و روحانی اور انسانی روایات و اقدار کا بھی گہرا عرفان حاصل کیا ہے جس کے سبب دردو غم ان کے تخلیقی وجدان کا حصہ بن گئے ہیں اس لئے ان کی رباعیوں میں وہ ساری آوازیں نظر آتی ہیں جو کسی زخمی دل سے آہ کی صورت میں نکلتی ہے۔

ناپید ہے ہر وہم و گماں ، اپنے سوا
ملتا ہی نہیں کوئی نشاں ، اپنے سوا
اک گنبد بے در میں مقید ہوں میں
آواز کسے دوں میں یہاں ، اپنے سوا

☆☆☆

خوابوں کی رقابت ہے کہاں تک جاؤں
اب کیسے بھلا اپنے مکاں تک جاؤں
اپنے ہی تعاقب میں ہوں سرگرداں
اس گنبد بے در میں جہاں تک جاؤں

☆☆☆

فریدؔ پربتی کی اس نوع کی رباعیوں میں عصر حاضر میں تہذیبی انتشار کے سبب معاشرتی نظام میں پیدا ہوئی بے راہ روی، انسانی اقدار کی شکست و ریخت ،فرد کے شخصی مسائل جیسے تنہائی ، بے چارگی ، کرب ذات اور اس کے وجود مسائل وغیرہ، سماج اور معاشرہ میں عوام کے روزمرہ مسائل کا بیان اور استعماری طاقتوں کے خلاف احتجاجی آہنگ کی صداقت کے ساتھ نہایت فکر انگیز نظر آتا ہے جس میں طرز

رباعی کے بارے میں یہ عام مفروضہ ہے کہ اسے صرف حکیمانہ مضامین کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بعد کے شاعروں نے اس کلیے کوتوڑنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ فریدؔ پربتی کی رباعیاں بھی متنوع اور ہمہ جہت موضوعات کی حامل ہیں۔ انہوں نے اسے کسی خاص موضوع سے مختص نہیں کیا، بلکہ اسے گوناگوں موضوعات کے لئے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے حمدیہ رباعیاں بھی کہیں ہیں صوفیانہ اوراخلاقی موضوعات پر بھی اظہارخیال کیا ہے۔ حسن وعشق کے موضوعات کوبھی برتا ہے اس کے علاوہ ان کی رباعیوں میں عصری اورتازہ حسیت کاعنصر بھی نظر آتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر انتشار پروردور میں ادب پروان چڑھتا ہے۔ گذشتہ دودہاہوں سے اہل کشمیر جس بے چارگی اور بے یقینی کی زندگی گذاررہے ہیں ، وہاں کے پے درپے خلفشار کے ماحول میں شعراءوادباء کے لئے قلم کے تقدس اور فکر کی حرمت کوقائم رکھنا یقیناً ایک مسئلہ رہا ہے۔ فریدؔ پربتی نے ایسے پُر آشوب دور میں بھی اپنے فکروقلم کے تقدس کوحالات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا اور یہ انکے تخلیقی وجدان کا بھی اعجاز ہے کہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے تخلیقی شعور کوشعری جامہ پہنانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

فریدؔ پربتی اپنے شعری طریق اور طرزِ اظہار میں منفرد ہیں۔ وہ نہ صرف شعری روایت سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ وہ ہماری کلاسیکی شاعری اور اس کی روایت سے حسب توفیق استفادہ بھی کرتے ہیں ان کے یہاں نہ تو صرف روایت پرستی ہے اور نہ ہی روایت سے کلی انحراف پایا جاتا ہے۔ شعری روایات کے شعور نے انکے شعری ادراکات کوزیادہ نکھارنے اور سنوارنے میں اہم فریضہ انجام

دیا ہے۔ جمالیاتی شعری روایات سے آگہی کے ساتھ انہوں نے ملک کی عام تہذیبی وروحانی اور انسانی روایات واقدار کا بھی گہرا عرفان حاصل کیا ہے جس کے سبب دردوغم ان کے تخلیقی وجدان کا حصہ بن گئے ہیں اس لئے ان کی رباعیوں میں وہ ساری آوازیں نظر آتی ہیں جو کسی زخمی دل سے آہ کی صورت میں نکلتی ہے۔

ناپید ہے ہر وہم و گماں ، اپنے سوا
ملتا ہی نہیں کوئی نشاں ، اپنے سوا
اک گنبد بے در میں مقید ہوں میں
آواز کسے دوں میں یہاں ، اپنے سوا

☆☆☆

خوابوں کی رقابت ہے کہاں تک جاؤں
اب کیسے بھلا اپنے مکاں تک جاؤں
اپنے ہی تعاقب میں ہوں سرگرداں
اس گنبد بے در میں جہاں تک جاؤں

☆☆☆

فرید پربتی کی اس نوع کی رباعیوں میں عصر حاضر میں تہذیبی انتشار کے سبب معاشرتی نظام میں پیدا ہوئی بے راہ روی، انسانی اقدار کی شکست وریخت ،فرد کے شخصی مسائل جیسے تنہائی ، بے چارگی ، کرب ذات اور اس کے وجود مسائل وغیرہ، سماج اور معاشرہ میں عوام کے روزمرہ مسائل کا بیان اور استعماری طاقتوں کے خلاف احتجاجی آہنگ کی صداقت کے ساتھ نہایت فکر انگیز نظر آتا ہے جس میں طرز

اظہار کہیں سیدھا سادہ ہے اور کہیں علامات واستعارات کے ذریعہ بات کو واضح کیا گیا ہے۔

پھولوں سے چرا کر وہ مہک بھیجتا ہے
آکاش کی خوش رنگ دھنک بھیجتا ہے
خالی نہیں رہ سکتا ہوں وہ جانتا ہے
زخموں کے لئے تازہ نمک بھیجتا ہے

☆☆☆

طوفان حوادث میں بکھر تا ہے وجود
اک آگ کے دریا سے گزرتا ہے وجود
ہے غول بیاباں کا تعاقب شب و روز
اس تیرہ خاک داں میں ڈرتا ہے وجود

فریدؔ پربتی نے اپنی رباعیوں میں ایسے آفاقی مسائل کو بیان کیا ہے۔ جس سے آج تمام انسانی معاشرہ دوچار ہے۔ اور یہ مسائل کسی مخصوص خطہ ارض سے وابستہ نہیں، سائنس اور فکر کی ترقی نے پورے انسانی معاشرے کا چہرہ مسخ کر دیا ہے اور پرانی تہذیبی اقدار دھیرے دھیرے از کار رفتہ جا رہی ہے اس کی جگہ ایک تجارتی اور صارفی سماج وجود میں آرہا ہے جس میں سب کو صرف اپنی ذات سے غرض ہے دوسروں کے جذبات واحساسات کی پرواہ نہیں۔

بڑھتا ہے اب احساس زیاں روز بروز
جلتا ہے آسودہ مکاں روز بروز
بدلہ ہے چمن بدلا ہے گلچیں کا مزاج
خوابوں کا یہاں اڑتا ہے دھواں روز بروز

☆☆☆

شیرزاہ محبت کا پریشان ہوا
غارت و عیش و سکون کا ساماں ہوا
اس دور میں جیتا ہوں جس میں انسان
وحشی و درندہ اور حیوان ہوا

فرید پربتی کی رباعیاں جہاں دکھی انسانیت کا اظہار ہے تو وہاں امن وامان اور محبت کے نغمے اس امید کے ساتھ نئی آس دکھاتے ہیں کہ ایک دن ایسا آئیگا جب یہ سارا معاشرہ بدل جائے گا اور ہر طرف امن ہی امن ہوگا۔

دنیا نئے سانچے میں ڈھل جائیگی
ہاں فطرت آدم بھی سنبھل جائیگی
حالات بدل جائینگے پھر اس کے بعد
اس ظلم کی بنیاد بھی بدل جائیگی

بہر کیف فرید پربتی کی رباعیاں ان کی جولانی فکر اور ذہنی جودت کا نتیجہ ہے اس میں گہرائی بھی اور گیرائی بھی ہیں۔ انہوں نے رباعی کے اصل مزاج کو برقرار

رکھا ہے۔اس میں خلاقی کی وہ تیزی وتوانائی بدرجہ اتم موجود ہیں جو کسی فن پارہ کو
اعتبار بخشتی ہیں ۔ان کی رباعیاں طرزِ فکر اور پیرایۂ اظہار دونوں اعتبار سے
انفرادیت کی حامل ہیں اس میں دلبستگی کے ساتھ ،ذات ،حیات وکائنات فرد کی
محرومیاں وناکامیاں ،موجودہ دور کا درد وکرب جیسے موضوعات بدرجہ اتم موجود ہیں۔
ابھی تو صرف دوشعری مجموعے کی صورت میں ان کی رباعیاں منظر عام پر آئی ہیں
امید کی جاتی ہے کہ ان کے تخلیقی سرچشمے سے ایسے مزید سوتے پھوٹینگے جس سے اس
صنف کوتوانائی حاصل ہوگی اوراس کی ترقی کے مزید امکانات پیداہوں گے۔

☆☆☆☆

فریدؔ پربتی کی رباعیاں

منظر اعجاز

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ فریدؔ پربتی اپنے معاصرین کے درمیان منفرد قلم کار ہیں۔ ان کا قلم جہتِ کثیر کا حامل ہے اور ہر جہت سے خوش فکر، خوش رنگ اور خوش آہنگ بھی ہے۔ میں نے ان کی نثری اور شعری تحریریں پڑھی ہیں اور خود ان ہی کی زبانی سنی بھی ہے۔ جہاں ان کی زبان اور لہجے پر کشمیریت حاوی دکھائی دیتی ہے وہیں ان کی شخصیت میں وادیٔ کشمیر کا حسن جلوہ گر نظر آتا ہے اور اس حسن کا انہیں احساس بھی ہے بلکہ وہ کسی نہ کسی پیرائے میں اکثر اس کا اظہار بھی کر جاتے ہیں۔ وہ رباعی ملاحظہ ہو، جو میں خود ان کی زبانی سن چکا ہوں:۔

واقف میں ہر اک خواب کی تعبیر سے ہوں
میں حسن ہوں اور حسن کی جاگیر سے ہوں
کہتے ہیں مجھے یوسفِ ثانی اے دوست
کنعاں سے نہیں، وادیٔ کشمیر سے ہوں

فریدؔ پربتی نے دلّی کی ایک مخصوص شعری نشست میں یہ رباعی سنائی تھی۔ داد دینے کے معاملے میں گرچہ مجھے بخیل سمجھا جاتا ہے لیکن اس موقع پر میری بے ساختہ داد کے نتیجے میں اہل محفل ان کے بجائے میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

فریدؔ پربتی کی شخصیت جاذبِ نظر بھی ہے اور جادو اثر بھی۔ وہ واقعی یوسفِ ثانی کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ اس لئے مجھے ان کی رباعی میں اس وقت بھی تعلّی کی بجائے حقیقت نظر آئی۔ اس رباعی کے فنی محاسن بھی شاعرانہ کمالات کے حامل ہیں۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ فن کا معیار متعین کرنے کے لئے متعلقہ فن پارے کا کثیر الجہت مطالعہ لازمی ہے مثلاً اگر رباعی کے فن پر گفتگو ہو رہی ہے تو اس کا عروضی نظام، فکری و معنوی منہاج، لسانی یا لفظیاتی طریق کار وغیرہ۔ میں یہاں صرف فکری و معنوی جہت کو ہی ملحوظ نظر رکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ فی الحال یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

عام طور پر رباعی کو چار مصرعوں کی چوٹ کہا جاتا ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ رباعی کے چوتھے مصرعے کو نشتر کی طرح ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہی مصرع شاعر کی فکری سطح اور زبان و بیان پر اس کی قدرت کو واضح کرتا ہے۔ پہلے تین مصرعے عموماً ایک فضا کی تعمیر کر دیتے ہیں اور چوتھا مصرع اس کے نتیجے کو نمایاں کرتا ہے۔ اس دائرہ مطالعہ کے تحت مشمولہ بالا رباعی پر پھر سے غور کریں۔

رباعی کا پہلا مصرع عمومی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ ایک مفرد سا بیان ہے۔ دوسرا مصرع بھی: ''میں حسن ہوں اور حسن کی جاگیر سے ہوں'' ایک مفرد سا بیان ہے۔ یہ دونوں بیانات معنوی سطح پر ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے۔ لیکن جب تیسرا مصرع: '' کہتے ہیں مجھے یوسفِ ثانی اے دوست'' پڑھتے یا سنتے ہیں تو ذہن فوراً جناب یوسفؑ کے حسن، ان کے خواب اور تعبیر خواب کی طرف منتقل

ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک سازگار معنوی فضا یا ماحول ابھرتا ہے۔ گویا تیسرا مصرع پہلے اور دوسرے مصرعوں کو مربوط کر کے ایک فضا کی تعمیر کر دیتا ہے اور چوتھا مصرع "کنعاں سے نہیں، وادیٔ کشمیر سے ہوں"۔ وادیٔ کشمیر سے ہوں "یوسف ثانی" کی معنویت کو نمایاں کرتے ہوئے نتیجہ خیز صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح منہاجِ فکر و نظر اور قدرت زبان و بیان بے مثال نظر آنے لگتی ہے۔ اس رباعی کا معنوی حسن واثر اس وقت اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے جب وہ کسی شعری نشست یا مشاعرے میں یہ رباعی خود سناتے ہیں۔ کیونکہ ان کا آبائی تعلق وادیٔ کشمیر سے ہے اس وادی کا سارا حسن ان کی شخصیت میں سمٹا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ واقعی یوسفِ ثانی نظر آتے ہیں اس لئے رباعی شاعرانہ تعلیٰ کے بجائے مبنی بر حقیقت یا حقیقت حال کی آئینہ دار معلوم ہوتی ہے۔

رباعی کی صنف سے فریدؔ پربتی کی قلبی وابستگی اور تخلیقی دلچسپی قابلِ لحاظ ہے۔ ان کے ہم عمر معاصرین میں رباعی کہنے والے لوگ بہت ہیں۔ اوروں کے یہاں یہ صنف ضمنی اور ذیلی حیثیت رکھتی ہے۔ فریدؔ پربتی اس سلسلے میں وحید و فرید ہیں۔ ان کے یہاں رباعی اول حیثیت اور بنیادی اہمیت کی حامل دکھائی دیتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ غزل گو سے بہتر رباعی نگار ہیں۔ حالانکہ ان دونوں صنفوں کے موضوعات میں ان کے یہاں کوئی اختصاص و امتیاز نہیں۔

فریدؔ پربتی کی رباعیوں میں نہ تو عاشقانہ کیف و سرور ہے نہ رندانہ مستی۔ ان میں واعظانہ پند و نصائح بھی نہیں، درس اخلاق کا میلان بھی نہیں۔ فلسفیانہ اور حکیمانہ

رنگ و آہنگ بھی نہیں۔ لیکن ایک چیز بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے اور وہ حزن وملال کا عنصر۔ اور یہی خصوصیت ان کی غزلوں میں بھی نمایاں طور نظر آتی ہے۔ چند رباعیوں سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خوابوں کو رقابت ہے کہاں تک جاؤں
اب کیسے پھر اپنے مکاں تک جاؤں
اپنے ہی تعاقب میں ہوں سرگرداں
اس گنبد بے در میں جہاں تک جاؤں

☆☆☆

لمحات گریزاں کو سمٹ کر دیکھا
اور عصر رواں سے بھی کٹ کر دیکھا
یادوں کی اذیت ہی فقط ہاتھ آئی
ماضی کی طرف جب بھی پلٹ کر دیکھا

☆☆☆

ہر سمت سے ہوں میں ہدف یا مولیٰ
ہے سنگ زنی چاروں طرف یا مولیٰ
ہے کون مددگار میرا تیرے سوا
ہر شخص ہے شمشیر بکف یا مولیٰ

ان رباعیوں کا رنگ ہم عصر متغزلانہ میلان سے ہم آہنگ ہے ان رباعیوں میں جن معاملات ومسائل انعکاس دکھائی دیتا ہے وہ نہ صرف ہم عصر متغزلانہ روایت کے

عمومی مسائل ہیں بلکہ خود فریدؔ پربتی کی غزلیں بھی انہیں معاملات و مسائل سے دوچار نظر آتی ہیں ۔ آشوب عصر کے مطالعے اور مشاہدے میں فریدؔ پربتی کا زوایہ نظر سوداؔ سے قریب اور اس کے اظہار کا آہنگ میرؔ کے رنگ سے قریب نظر آتا ہے۔ ویسے بھی فریدؔ پربتی کے علمی اکتسابات میں کلاسکیت پر زور زیادہ رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ فرید پربتی کے اسلوب اور لہجے کو سنوارنے نکھارنے میں کلاسیکی شعری روایت نے اہم کردار ادا کیا ہے چنانچہ روایت اور جدت کا ایک حسین امتزاج لسانی رویے اور لفظیاتی نظام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

☆ فریدؔ پربتی کے اظہار میں ایک بے تکلفی کا جو احساس ملتا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رباعی اُن کے مزاج کو راس آئی ہے اور وہ اس سنگ صفت صنف کو بگھلانے اور اپنی پسند کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔
محمد یوسف ٹینگ

☆ ڈاکٹر فرید پربتی کی رباعیاں ذہن کی اطرافی عبارت اور جودت سے نہ صرف معمور ہیں بلکہ ان میں خلاقی کی وہ تیزی، توانائی اور تندی بہ صراحت موجود ہے جو کسی فن پارہ کو تیز فہم اور زیرک احتیاط سے صیقل کرتی ہے۔
کرشن کمار طورؔ

☆ ڈاکٹر فریدؔ پربتی کی زبان اس قدر پختہ ہے کہ ان کی رباعیات ہی میں وہ سانس لے سکتی تھی۔ بعض رباعیات پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ فریدؔ صوفی فارسی اور اُردو شعری سرمائے پر گہری نظر رکھتا ہے۔
رؤف خیرؔ

☆ فرید پربتی نے ذہنی اختراع اور تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لا کر رباعی جیسی مشکل صنف سخن کو منہ ہی نہیں لگایا بلکہ اس میں باقاعدہ مردِ میدان کی حیثیت اختیار کر کے رباعی کے نقاد کے طور پر بھی ایک شناخت بنالی ہے۔
سلیم سالکؔ

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(India)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-011-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

81-8223-305-4